Al-Mahdi Research Journal (MRJ)
Vol 5 Issue 4 (April-June 2024)
HJRS HEC Journal Recognition System
ISSN (Online): 2789-4150
ISSN (Print): 2789-4142

Allama Syed Ahmad Saeed Kazmi's Method of Research in Understanding the sayings of the Holy Prophet (A Special Study in the light of Kazmi's Articles)

فہم حدیث میں علامہ سید احمد سعید کاظمی کا اسلوبِ تحقیق (مقالاتِ کاظمی کی روشنی میں اختصاصی مطالعہ)

Dr. Muhammad Asim Ul Hassan
Lecturer, Department of Islamic Studies. Islamia University of Bahawalpur, Email: masim@iub.edu.pk, ORCID: https://crcid.org/0000-0002-9778-5953

Hafiz Aman Ullah
Ph.D Scholar Department of Islamic Studies, Islamia University of Bahawalpur, Email: hafiz7224169@gmail.com

Abstract

Allah (عزّوجل) sent the Holy Prophet (صلى الله عليه وسلم) as a guide and leader, granting him the final revelation, the Holy Quran. The Prophet's sayings and traditions serve as a practical exegesis of the Quran, offering comprehensive insights. Scholars across eras have consistently turned to these hadiths for solutions to Shariah issues. To address the contemporary challenges faced by the Muslim Ummah, it is essential to consult the Four Principles of Muslim Jurisprudence: the Quran, the Sunnah, Ijma-e-Ummah, and Qiyas-e-Shariah. These principles have historically provided guidance for both fundamental and jurisprudential matters. Islamic scholars have safeguarded the creeds and sought solutions to legal issues based on these principles. The Quran and Hadiths underpin all arguments, and Islamic jurists will continue to derive reasoning from the Hadiths until the Day of Judgment. Allama Syed Ahmad Saeed Kazmi Amruhi, a distinguished 20th-century scholar, was renowned for his deep knowledge and ability to elucidate issues clearly to both religious scholars and philosophers. His unparalleled expertise in Hadiths and rigorous analysis set him apart. This research paper examines Allama Kazmi's interpretations of the Prophet's sayings as presented in his writings, evaluating their strengths and weaknesses.

Keywords: Islamic Jurisprudence, Hadith Interpretation, Four Principles of Shariah, Allama Syed Ahmad Saeed Kazmi, Quranic Exegesis

تمہید:

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ہدایت وراہنمائی کیلئے دنیا میں مبعوث فرمایا۔ آپ کے اقوال و آثار کے معانی ومفاہیم اس قدر جامع اور پر اثر ہیں کہ پیش آمدیدہ جدید مسائل کا حل دور کے علماء ان اقوال واحادیث کی روشنی میں تلاش کر لیتے ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں ہے:

نضّر الله آمرا سمع مقالتی فبلّغها فربّ حامل فقه غير فقيه، ورب حامل فقه الى من هو افقه منه(۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اسے مسرور وشاداں رکھے جو میری ایک بات سن کر اسے دوسروں تک پہنچادے کیونکہ بہت سے فقہ کی باتیں جاننے والے خود فقیہ نہیں ہوتے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیان کرنے والا خود سمجھدار نہیں ہوتا جتنا کہ وہ شخص ہوتا ہے جس سے بیان کیا جارہا ہے۔ علماء مجتہدین نے ہر دور کے جدید مسائل کو اصول اربعہ ((۱) کتاب اللہ، (۲) سنت رسول، (۳) اجماع امت اور (۴) قیاس شرعی) سے استنباط کیا ہے۔ عقائد فقہی مسائل، اصولیات وفروعیات کے دلائل قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔ پس علماء اکرام ومجتہدین عظام نے بوقت ضرورت جدید پیش آمدہ مسائل کے حل اور اصلاح امت کیلئے احادیث نبویہ سے استدلات کئے، کرتے رہتے ہیں اور ان شاء اللہ کرتے رہیں گے۔ علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہوی (متوفی:1406ھ) بیسویں صدی کے علماء ربانین میں شمار ہوتے ہیں۔ فقاہت اور حاضر جوابی کا عالم یہ تھا ہر مشکل سے مشکل مسئلہ کا یوں حل فرماتے کہ سائل معقولات ومنقولات کا عالم ہوتا یا کوئی عام شخص، بہر صورت مسئلہ کو سمجھ

جاتا اور آپ کے علمی استدلال کی داد دیئے بغیر نہ رہ پاتا۔ آپ ایک بے مثل محدث اور واق کی جانچ پڑتال میں نباض کے منصب پر فائز تھے۔ آپ نے اپنے خطبات و مواعظ، تصنیفات و تالیفات میں آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، قواعدِ لغت، قواعد و نحو اور قوانین فلسفہ و منطق سے باکمال استدلات کئے۔

(۱) مطلقاً رؤیتِ باری تعالیٰ کا انکار درست نہیں۔

رویت باری تعالیٰ کے منکرین کے رد عمل علامہ سید احمد کاظمی نے رسالہ "معراج النبی ﷺ" میں لکھا:

> آیت مبارکہ لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ(۲) سے اللہ تعالیٰ کی رؤیت کی نفی نہیں بلکہ ادراک کی نفی ہوتی ہے اور ادراک کے معنیٰ رؤیت نہیں بلکہ ادراک "احاطہ" کو کہے ہیں اور احاطہ کے معنیٰ ہیں: کسی چیز کو گھیر لینا۔ لہٰذا آیت کریمہ کے معنیٰ ہوئے" تمام آنکھیں اللہ تعالیٰ کو گھیرے میں نہیں لے سکتیں اور اللہ تعالیٰ سب آنکھوں کو محیط ہے اور سب کو اپنے علم و قدرت کے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔"پس اس آیت مبارکہ سے اس رؤیت کی نفی ثابت ہوئی جس سے اللہ تعالیٰ کا احاطہ ہو جائے لیکن رؤیت بلا احاطہ کی نفی اس سے ثابت نہیں ہو سکتی جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک(۳) یعنی میں تیری ایسی حمد و ثناء نہیں کر سکتا جیسی حمد و ثناء تو خود اپنے لئے کرتا ہے۔ اس حدیث مبارک میں ثنائے الہٰی کے احصاء اور احاطہ کی نفی ہے۔ معاذ اللہ مطلق ثناء کی نفی نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی کوئی ثناء نہیں کی۔ پس ظاہر ہو گیا کہ جس طرح احاطہ ثنائے الہٰی کی نفی سے مطلق ثنائے الہٰی کی نفی ثابت نہیں ہو سکتی اسی طرح رؤیت بالا احاطہ کی نفی سے مطلق رؤیت کی نفی بھی ثابت نہیں ہو سکتی۔(۴)

تجزیہ و تحقیق:

استدلال مذکورہ کے مؤیدہ اقوال آپ سے قبل اور بعد کے علماء سے ملتے ہیں:

۱۔ امام ملا علی قاری (متوفی:1014ھ) نے اپنے کتاب الرد علی القائلین بوحدۃ الوجود میں بعض متکلمین کا قول نقل کیا ہے جس سے اس استدلال کی تائید ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

> قالو ان احد الایعرف اللہ حق معرفتہ و ان کان نبیا مرسلا او مکا مقربا لقولہ تعالیٰ} وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلاً{ (۵) وکقولہ سبحانہ و تعالی: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهِ عِلْماً(۶) وقولہ:لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ، ومن ھنا قال ﷺ: لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک، وقال: لا تتفکرو فی ذات اللہ(۷) ترجمہ: بعض متکلمین نے کہا کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی کما حقہ، معرفت حاصل نہیں کر سکتا اگرچہ وہ مرسَل نبی ہو یا مقرّب فرشتہ ہو، بوجہ االلہ تعالی کے فرمان" اور تمہیں علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا" کے، نیز اللہ رب العزت کے فرمان" اور وہ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے" اور "نگاہیں اسکا احاطہ نہیں کر سکتیں" کے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں تیری ایسی حمد و ثناء نہیں کسکتا جیسی حمد و ثنا تو خود اپنے لئے کرتا ہے۔

۲۔ شیخ عبد الرحمٰن بن ناصر براک بن ابراہیم نے شرح العقیدۃ الطحاویہ میں لکھاہے:

> اعجز الخلق عن ان یحیطو بہ، فلا یحیطون بہ علما کما قال تعالی: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهِ عِلْمَاً فالعباد یعرفون ربھم بما جعلہ فی فطرھم، و بما اوحاہ الی رسلہ، و مع ذلک ھم لا یحیطون بہ علما، یقول اعلم الخلق بہﷺ: لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک، لایحیط العباد بمالہ من الاسماء، وبمالہ من الصفات، ولا یعلمون کیفیۃ صفاتہ، و کذالک ان راوہ لا یحیطون بہ رویۃ: لا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ فلَ تحیط بہ الابصار(۸)

ترجمہ: اللہ رب العزت نے مخلوق کو عاجز کر دیا ہے کہ وہ علم سے اس کا احاطہ کرے جیسا کہ اس کا فرمان ہے: اور وہ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ پس عباد اللہ معرفت الہٰی اسی کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں پیدا فرمایا ہے یا جو اپنے رُسُل گرامی کی طرف وحی فرمایا، اس سب کے باوجود وہ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ مخلوق میں اعلم (محمد ﷺ) فرماتے ہیں: میں تیری ایسی حمد و ثناء نہیں کر سکتا جیسی حمد و ثنا تو خود اپنے لئے کرتا ہے۔ عباد اپنے رب کا احاطہ اپنے اسماء صفات سے نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کی ذات وصفات کی کیفیت جان سکتے ہیں، یوں ہی اگر وہ اس کو دیکھیں تو اپنی رویت سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں یعنی نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔

(۲) نبی کا اپنی قوم میں انسب (عالی نسب) ہونا ضروری ہے

علامہ غلام رسول سعیدی (متوفی:1437ھ) نے علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ کے تعارف، احوال زندگی اور خدمات دین میں کاوشوں پر مشتمل ایک مضمون مرتّب کیا۔ اس میں لکھتے ہیں: 1953 کی تحریک ختم نبوت کے دوران مختلف مکاتب فکر کے علماء کراچی میں اکٹھے ہوئے۔ ایک مجلس میں مولانا ظفر احمد انصاری، مفتی محمد شفیع، مولانا محمد یوسفبنوری، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، سید ابوالاعلیٰ مودودی اور حضرت قبلہ کاظمی شاہ صاحب جمع ہوئے۔ اثنائے گفتگو حضرت قبلہ لا ظمی شاہ صاحب نے مولانا محمد ادریس کاندھلوی سے فرمایا۔

آپ نے اپنی کتاب "الکلام" میں مرزا احمد قادیانی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا حسب نسب اپنے زمانہ کے تمام احساب وانساب سے افضل ہو حالانکہ یہ بات بے دلیل ہے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے کہا، میں نے حدیث شریف کا ترجمہ کیا ہے۔ بخری شریف میں ہے۔ کذلک تبعث الانبیاء فی احساب قومھم(۹) یعنی انبیاء علیھم السلام اپنی قوم کے بہترین نسب سے مبعوث کئے جاتے ہیں۔ حضرت علامہ کاظمی صاحب نے فرمایا: حدیث کا ترجمہ تو یہ ہے کہ جس قوم کی طرف نبی مبعوث ہو، اس کا نسب اس قوم میں افضل ہوتا ہے۔ آپ نے لکھا ہے، نبی کا نسب اپنے زمانہ میں سب افضل ہوتا ہے۔ کہنے لگے: اگر میں نے یہ لکھ دیا تو کیا خرابی لازم آئی؟ حضرت نے فرمایا: خرابی یہ ہے کہ ترمذی شریف میں حدیث ہے: ان اللہ اصطفی من ولد ابراھیم اسماعیل، واصطفی من بنی اسماعیل بنی کنانۃ، واصطفی من بنی کنانۃ قریشا، واصطفی من قریش بنی ھاشم، واصطفانی من بنی ھاشم(۱۰) یعنی حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں اسماعیل کو فضیلت دی اور اولاد اسماعیل میں کنانہ کو فضیلت دی اور کنانہ میں قریش کو اور قریش میں بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں مجھے فضیلت دی۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ حضرت ابراہیم کے دو فرزندوں اسحٰق اور اسماعیل علیہم السلام میں حضرت اسماعیل کا نسب حضرت اسحٰق سے افضل تھا اور جس زمانہ میں نسل اسحٰق سے بنی اسرائیل کے انبیاء مبعوث ہوئے، اس وقت حضرت اسماعیل کی اولاد بھی موجود تھی اور ان کا نسب بنی اسرائیل کے انبیاء سے افضل تھا۔ اب اگر نبی کے لیے ضروری ہو تو لازم آئے گا کہ اس کا نسب اپنے زمانہ کے تمام انساب سے افضل ہو تو لازم آئے گا کہ نبی اسرائیل کے انبیاء، انبیاء نہ رہیں۔ کیونکہ ان کا نسب اپنے زمانہ کے نسب اسماعیل سے افضل نہ تھا اور انبیاء بنی اسرائیل کی نبوت کے انکار سے بڑھ کر اور کون سی خرابی ہوگی؟ جب حضرت نے یہ ایراد قائم فرمایا تو مولانا ادریس کاندھلوی سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور مجلس وہیں برخاست ہوگئی۔ نیز اگلے ایڈیشن میں انہوں نے اس سے رجوع بھی کر لیا۔(۱۱)

تجزیہ و تحقیق:

عبد الرحمٰن بن محمد قاسم نجدی (م:1392ھ) نے حاشیۃ الاصول الثلاثۃ لمحمد بن عبد الوھاب میں الاصول الثلاثۃ لمحمد بن عبد الوھاب کی عبارت و قریش من العرب کے تحت لکھا:

والعرب هنا المراد بهم: المستعربة، فان العرب قسمان: عاربة و مستعربه، والعاربة قحطان،والمستعربة عدنان، وهم افضل من العرب العاربة، كيف و منهم النبى ﷺ و هوا القائل: ان الله اصطفى بنى اسماعيل من العرب، واصطفى من بنى اسماعيل كنانه واصطفى من كنانة قريشا، واصطفى من قريش بنى هاشم، واصطفانى من بنى هاشم، فانا خيار من خيار، و قال ابو سفيان الهرقل لما سأله: كيف هو فيكم؟ قال:هو فينا ذو نسب، قال: و هكذا الرسل تبعث فى انساب قومها، يعنى: فى اكرمها احساباً(۱۲)

ترجمہ: یہاں عرب سے مراد مستعربہ (اولاد اسماعیل علیہ السلام) ہیں۔ عرب کی دو قسمیں ہیں: (۱) عاربہ اور (۲) مستعربہ۔ قحطان عاربہ اور عدنان مستعربہ ہیں اور مستعربہ عرب میں عاربہ کی نسبت زیادہ فضیلت رکھتے ہیں اور کیوں نہ ہوں جبکہ نبی کریم ﷺ مستعربہ ہیں اور آپ ﷺ ہی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل کو عرب میں فضیلت دی اور اولاد اسماعیل میں کنانہ کو فضیلت دی اور کنانہ میں قریش کو اور قریش میں بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں مجھے فضیلت دی، پس میں تمام بہتروں سے بہتر ہوں۔ اور ابو سفیان (رضی اللہ عنہ) نے ہرقل کے سوال" وہ تم میں کیسے ہیں؟" کے جواب میں فرمایا: وہ ہم میں عالی نسب والے ہیں (تو) ہرقل نے کہا: رُسُل (وانبیاء) کی بعثت ہمیشہ قوم کے صاحب حسب نسب خاندان میں ہوتی ہے۔

(۳)" خاتم النبین" سے مراد" آخر النبیین" ہے۔

جب مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب (متوفی:1880ء نے اپنے رسالہ تحذیر الناس میں لکھا:

عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔(۱۳)

تو علامہ سید احمد سعید کاظمی نے اس جدید معنیٰ کی تردید میں رسالہ "التبشیر برد التحذیر" میں لکھا:

اس کے متعلق گزارش ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی خاتم النبین کی تفسیر میں لانبی بعدی فرما کر لفظ خاتم النبین کے معنیٰ آخر النبیین متعین فرادیئے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بکثرت وارد ہے کہ انا خاتم انبینن لا نبی بعدی (۱۴) اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب بالاتفاق خاتم النبیین ہی سمجھتے رہے جس کا انکار ملحدین کے سوا کوئی کلمہ گو مدعی اسلام نہیں کر سکتا۔ اور آج تک امت مسلمہ کا اجماع اسی بات پر ہے کہ قول خداوندی وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ(۱۵) اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہے اور جو اس کا مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے وہی بغیر کسی تاویل و تخصیص کے مراد ہے۔ ایسی صورت میں خاتم النبیین کے

معنٰی آخر النبیین کو عوام کا خیال قرار دینا معاذاللہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ اور اس وقت تک ساری امت کو عوام میں شمار کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟۔(۶۱)

تجزیہ و تحقیق:

علامہ سید احمد سعید کاظمی نے اپنے استدلال کی تائید میں قاضی عیاض مالکی کی کتاب الشفاء سے عبارت نقل کی ہے:

اخبرﷺ انہ خاتم النبیین، لانبی بعدہ۔۔۔و اخبر عن اللہ تعالیٰ انہ خاتم النبیین، و انہ ارسل کافۃ اللناس، و اجمعت الامہ علی حمل ھذا الکلام علی ظاھرہ، و ان مفھومہ المراد بہ دون تاویل ولا تخصیص فلا شک فی کفر ھوا لاء الطوائف کلھا قطعا اجماعا وسمعا۔(۷۱)

ترجمہ: آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ آپ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام بالکل اپنے ظاہری معنوں پر محمول ہے اور اس کا مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے وہی بغیر کسی تاویل و تخصیص کے مراد ہے۔ پس ان لوگوں کے کفر میں کوئی شک نہیں جو اس کا انکار کریں اور یہ قطعی اور اجماعی عقیدہ ہے۔(۸۱)

علاوہ ازیں علامہ محمد بن علی بن محمد شوکانی (م:1250ھ) نے فتح القدیر میں آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ(۹۱) کی تفسیر میں فرمایا:

و انہ قال: انا خاتم النبیین، و خاتم الشی ء: آخرہ و منہ قولھم: خاتمہ المسلک، وقال الحسن: الخاتمھ ھوا لذی ختم بہ(۰۲)

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا: انا خاتم النبیین اور خاتم النبیین سے مراد شے کا آخر ہوتا ہے اور اسی قبیل سے عرب کا قول ہے اور حضرت امام حسن بصری نے فرمایا: ختم وہ شے جس کے ساتھ مہر لگائی جاتی ہے۔

پس احادیث نبویہ اور اہل لغت کی تصریحات سے معلوم ہا گیا کہ "آخر النبیین" ہے نا کہ اس کے بر خلاف۔

(۴) نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو اجتہاد کے مواقع فراہم کئے۔

سرزمین خانیوال میں غیر مقلدین کے اکابرین نے امام اعظم کی شان میں تنقیص کی تو علامہ سید احمد سعید کاظمی نے خنیوال میں خطاب کے دوران غیر مقلدین کو مخاطب کر کے کہا:

ارے تم نے انہیں (امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمتہ اللہ علیہ) اہل الرائے کہہ کر ان پر طعن کیا، مگر میں تو رائے کو برا نہیں سمجھتا۔ میں تو اس رائے کو برا سمجھتا ہوں جو اللہ کے فرمان کی مقابل ہو۔ ایسی رائے یقیناً مذموم ہے کیونکہ وہ سید ھا دوزخ کا راستہ ہے لیکن میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ امام ابو حنیفہ کی وہ رائے نہ تھی بلکہ امام ابو حنیفہ کی رائے وہ تھی جو جنت کا راستہ دکھاتی، توحید کی راہیں روشن کرتی اور بارگاہِ رسالت کی طرف رہنمائی کرتی تھی۔ جو امام ابو حنیفہ پر اس لئے طعن کرتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی رائے سے کیوں کہا تو میں اسے کہتا ہوں کہ مجتہد کو اپنی رائے سے کہنے کا حق ہے۔ اگر امام ابو حنیفہ کے اجتہاد کی بنا پر تم انہیں اہل الرائے کہتے ہو اور اس اجتہاد پر انہیں مطعون کرتے ہو تو پھر تمہارا یہ طعن تو نعوذ باللہ بارگاہ رسالت تک پہنچے گا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے بھی اجتہاد فرمایا تھا، حالانکہ حضور ﷺ کو اجتہاد کی ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ تو وہ مقدس ہستی ہیں، جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی آتی تھی۔ بات یہ ہے کہ بارگاہ نبوت کی اداؤں کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر حضور ﷺ اجتہاد نہ فرماتے تو اجتہاد کے جواز کے لئے دلیل کہاں سے آتی؟ معلوم ہوا مجتہدین کے اجتہاد کے لئے دلیل فراہم کرنے کے لیے سرکار دوعالم ﷺ نے نہ صرف خود اجتہاد فرمایا بلکہ صحابہ کرام کو بھی اجتہاد کے مواقع فراہم کئے۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کی ایک جماعت کو بنو قریظہ کی جانب بھیجا اور ارشاد فرمایا: لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظۃ(۱۲) ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ جا کر۔ اب دیکھئے کہ ظہر، عصر کی مغائر ہے کہ نہیں ہے؟ اگر کوئی عصر کی نیت کر کے ظہر کی نماز پڑھ لے تو کی اسکی نماز ہو گی؟ ہر گز نہیں ہو گی کیونکہ عصر اور ہے اور ظہر اور ہے۔ اب بنو قریظہ کی جانب جس جماعت کو حضور ﷺ نے بھیجا، اس کیلئے حضور ﷺ کے الفاظ بخاری میں ہیں کہ تم میں سے کوئی بھی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ جا کر اور مسلم میں ہیں کہ تم میں سے کوئی ظہر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے۔ معلوم ہوا کہ دونوں حدیثوں میں تغایر ہے اور حدیثوں میں یہ اختلاف ایک حقیقت ثابتہ ہے۔

اب امام ابو حنیفہ پر الزام لگانے والوں سے میں پوچھتا ہوں کہ بتاؤ جو جماعت حضور ﷺ نے بنو قریظہ کی جانب بھیجی، اس جماعت کو آپ نے ظہر کی نماز کے بارے میں فرمایا عصر کی نماز کے متعلق؟ بتاؤ ان مختلف احادیث میں تطبیق کیسے کرو گے؟ کیا رائے کے بغیر کام چلے گا؟ ہر گز نہیں، رائے کے بغیر یقیناً کام نہیں چلے گا۔ کیونکہ تم رائے کے بغیر دونوں حدیثوں میں تطبیق نہیں کر سکتے۔

زیادہ سے زیادہ محدثین کے حوالے سے یہی کہو گے کہ دونوں حدیثیں تعداد واقعہ پر محمول ہیں یعنی ایک جماعت کو حضور ﷺ نے ظہر سے پہلے بھیجا اور فرمایا تم میں سے کوئی بھی ظہر کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے اور دوسری جماعت کو حضور ﷺ نے عصر سے پہلے روانہ کیا اور فرمایا، تم میں سے کوئی بھی عصر

کی نماز بنو قریظہ کے پاس پہنچے بغیر نہ پڑھے، لیکن میں کہتا ہوں کہ تعداد واقعہ پر کوئی دلیل لاؤ اور کوئی ایسی حدیث بھی پیش کرو، جس سے ثابت ہو کہ حضور ﷺ نے ایک جماعت کو ظہر سے پہلے بھیجا اور دوسری جماعت کو ظہر کے بعد بھیجا لیکن دس ہزار مرتبہ بھی تم مر کر زندہ ہو جاؤ تو تعداد واقعہ پر تم حدیث نہیں لا سکتے۔ معلوم ہوا کہ محدثین نے یہ توجیہ اپنی رائے سے کی ہے اور رائے کو ہم مانتے ہیں، تم مانتے۔ اگر تم پاؤں چھپاتے ہو تو سر کھلتا ہے اور سر چھپاتے ہو تو پاؤں کھلتے ہیں۔ اب ہوا یہ کہ جب حضور ﷺ نے اس جماعت کو بھیجا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچے بغیر نہ پڑھے، لیکن بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے وقت تھوڑا رہ گیا کہ اگر بنو قریظہ پہنچتے ہیں تو عصر کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ اب مسئلہ پیدا ہو گیا کہ حضور ﷺ کا تو حکم یہ ہے کہ لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظۃ لیکن اس صورت میں تو نماز قضا ہو جاتی ہے اور اگر نماز پہلے ادا کرتے ہیں تو حضور ﷺ کی حکم عدولی ہوتی ہے۔ اب اس اختلاف کی صورت میں بعض صحابہ نے کہا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُومِنِيْنَ كِتَاباً مَوْقُوْتاً (۲۲) ترجمہ: بے شک نماز ایمان والوں پر وقت مقرر کیا ہوا فریضہ ہے۔ نماز فرض موقت ہے۔ لہٰذا وقت سے مفر نہیں کیا جائے گا اور ہم ابھی نماز عصر ادا کریں گے تا کہ نماز وقت پر ادا ہو جائے اور حضور ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ تھا کہ تم اتنی جلدی چلنا کہ نماز عصر بنو قریظہ جا کر ادا کرو۔ اب اتنی جلدی نہیں چلے تو یہ ہماری غلطی ہے چنانچہ ہم نماز ادا کر لیتے ہیں۔ اس لئے ایک جماعت نے بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر ادا کی۔ مگر کچھ صحابہ نے کہا کہ قضا اور ادا تو ہم نہیں جانتے، ہم تو حضور ﷺ کے فرمان پر عمل کریں گیکہ نماز عصر بنو قریظہ پہنچے بغیر نہیں پڑھیں گے۔ اب صحابہ کی دونوں جماعتوں میں اختلاف ہو گیا کیونکہ دونوں نے اپنے اجتہاد سے کام لیا اور جب یہ دونوں جماعتیں یعنی اپنی رائے سے کام لینے والی حضور اکرم ﷺ کے سامنے پہنچیں تو حدیث میں آتا ہے: فلم یعنف واحد امنھم ترجمہ: حضور ﷺ نے کسی جماعت سے اظہار ناراضگی نہیں فرمایا۔ (۳۲)

تجزیہ و تحقیق

علامہ سید احمد سعید کاظمی کے استدلال کی مثل امام یحییٰ بن شرف نووی (متوفی: 676ھ) کا قول المنہاج شرح مسلم بن الحجاج میں ہے:

> فیہ دلالۃ لمن یقول بالمفھوم و القیاس و مراعا ۃ امعنی ولمن یقول بالظاہر ایضاو فیہ انہ لا یعنف المجتھد فیما فعلہ باجتھادہ اذ ابذل وسعہ فی الجتھاد۔۔۔(۴۲)
>
> ترجمہ: حدیث مذکورہ بالا میں ان علماء کیلئے دلیل ہے جو نصوص اور معانی کی رعایت کے ساتھ کلام فرماتے ہیں اور ان کیلئے بھی جو فقط ظاہر عبارت سے استدلال کرتے ہیں، نیز یہ بھی کہ مجتہد کے اس عمل میں جو اپنے اجتہاد سے کرے اسے عار نہ دلائی جائے بشر طیکہ وہ اجتہاد میں درستگی کو پہنچنے کی پوری کوشش کرے۔۔۔۔۔۔ آہ۔

(۵) علماءِ امتِ محمدیہ، انبیاء بنی اسرائیل کے نائب ہیں

علامہ سید احمد سعید کاظمی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیتہ العلماء پاکستان نے مورخہ ۱۱، ۱۰ اور ۲۱ دسمبر ۵۵۹۱ کو منعقدہ سالانہ کانفرنس کیلئے "تعارف جمعیتہ العلماء پاکستان" مرتب فرمایا، اس میں لکھتے ہیں:

> حضرات! ۷۴۹۱ء کے قیامت خیز، حشر انگیز اور ہنگامہ پرور حالات وواقعات سے کون دردِ ملت رکھنے والا حساس مسلمان ناواقف ہے۔ پھر جسد ملت کے ہر زخم پر مرہم رکھنے کا مامور گروہ یعنی علماء دین متین کیونکر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہتے۔ انہیں تو دربار نبوت سرکار ابد قرار ﷺ سے انبیاء بنی اسرائیل کی نیابت کا عہدہ سپرد ہوا ہے کانت بنو اسرائیل تسو سھم الانبیاء (۵۲) یعنی علماء امت محمدیہ، انبیاء بنی اسرائیل کے نائب ہیں۔ (۶۲)

تجزیہ و تحقیق:

علماء امت محمدیہ کے نائبین انبیاء بنی اسرائیل ہونے پر ایسا استدلال علامہ سید احمد سعید کاظمی کا تفرد معلوم ہوتا ہے آپ کے علاوہ کسی محقق کا ایسا استدلال سامنے میں نہیں آیا۔

(۶) قربانی اللہ کے رسول کی سنت ہے

علامہ سید احمد سعید کاظمی نے مروجہ قربانی کے خلاف لاہور میں ایک مقالہ دیکھا جس میں انکار حدیث کو بنیاد بنا کر شعارِ اسلام "قربانی" کی شدید توہین کی گئی تھی آپ نے اس پمفلٹ کے رد اور مروجہ قربانی کے دفاع میں ایک رسالہ "فلسفہ قربانی" تحریر کیا۔ اس میں تحریر فرماتے ہیں:

> پاکستان ٹائمز کے مقالہ نویس نے بڑے طمطراق کے ساتھ لکھا ہے کہ "قربانی کا سنت ابراہیمی ہونا ایسی بات ہے جس کی کوئی تصدیق نہیں پائی جاتی"۔ جواباً عرض ہے کہ جن لوگوں کے مذہب میں حضرت محمد ردول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی نائز نہیں۔ ان کے نزدیک سنت ابراہیمی کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ ملاحظہ فرمایئے! منکرین حدیث کے مقتداء اور پیشوا غلام محمد پرویز نے اپنی کتاب معارف القران جلد ۴ ص ۶۸۲ پر صاف لکھا ہے: اطاعت صرف خدا کی ہو سکتی ہے کسی انسان کی نہیں، حتیٰ کہ رسول بھی اپنی اطاعت کسی سے نہیں کرا سکتا"۔ رہا یہ امر اس کی تصدیق پائی جاتی ہے یا نہیں؟ تو اس کے متعلق سر دست اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ تصدیق

CC BY

کرنے والوں کے لئے تو اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے سچے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ فداہ ابی و امی کے کلام فیض ترجمان میں واضح طور پر موجود ہے۔

مسند امام احمد اور ابن ماجہ میں سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے:قال اصحاب رسول اللہ یارسول اللہ ما ھذہ الضاحی؟ قال: سنۃ ابیکم ابراہیم(۷۲)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: حضور! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ تو سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں۔

لیکن معترضین اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ یہ حدیث رسول ہے ہم اسے نہیں مانتے، ہمیں قرآن میں اس کی تصدیق دکھاؤ۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ اگر تصدیق کے یہی معنیٰ ہیں کہ جس بیان کی تصدیق مطلوب ہو اس کا ایک ایک لفظ قرآن کریم میں پایا جائے تو میں دعوے سے کہوں گا کہ مخالفین اپنے دعوے کی کوئی تصدیق قرآن مجید سے پیش نہیں کر سکتے۔

مثال کے طور پر اسی مسئلہ کو لے لیجیے۔ پاکستان ٹائمز کے مقالہ نویس نے لکھا ہے: ''ایام حج میں صرف مکہ میں قربانی ہو سکتی ہے''۔

مقالہ نویس سے میں دریافت کرتا ہوں کہ اگر آپ خود اپنے ہی ارشاد کے مطابق مکہ معظمہ جا کر ایام حج میں قربانی کرنا چاہیں تو کون سے مہینے کی کن تاریخوں میں قربانی کریں گے؟ کیا قرآن کریم سے آپ ماہِ ذی الحجہ کے نام اور اس کی مخصوص تاریخوں کی تصدیق پیش کر سکتے ہیں؟

نہیں اور یقیناً نہیں۔ پھر آپ ہی بتائیے کہ آپ کا دعویٰ خود آپ ہی کے مقرر کردہ معیار کے مطابق کہاں تک سچا ثابت ہوا؟ اگر اس کے جواب میں آپ یہ کہیں کہ ذی الحجہ کی جن تاریخوں میں عام مسلمان حج کرتے ہیں اس کی وہی تاریخیں ایام حج قرار پائیں گی تو میں عرض کروں گا کہ اگر عامۃ المسلمین کا عمل آپ کے نزدیک کوئی دلیل شرعی ہو سکتا ہے تو مرقجہ قربانی کی مخالفت آپ کیوں فرما رہے ہیں جو امت مسلمہ عہد رسالت سے لے آج تک ذی الحجہ کی مخصوص تاریخوں میں حج کے ارکان مخصوصہ مکہ میں ادا کرتی رہی؟ وہی قوم عرب و عجم، مشرق و مغرب، جنوب و شمال میں اپنے اپنے شہروں، قصبوں اور بستیوں میں قربانی کرتی چلی آ رہی ہے۔ پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امت مسلمہ کا ایک عمل آپ کے نزدیک دلیل شرعی اور قرآن کے مطابق ہے اور دوسرا صریح گمراہی اور خلاف قرآن، حالانکہ آپ کے معیار کے دونوں کی تصدیق قرآن کریم میں موجود نہیں۔

علیٰ ہذا القیاس مکہ معظمہ کو قربانی کی جگہ قرار دینا بھی ایسا دعویٰ ہے جس کی تصدیق آپ اپنے خود ساختہ معیار کے مطابق قرآن کریم سے پیش نہیں کر سکتی هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ(۹۲) اور ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ(۹۲) سے آپ کا مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ ''بیت عتیق'' اور ''کعبہ'' کا ترجمہ ''مکہ'' نہیں۔ کعبہ مطہر وایک خاص گھر اور مخصوص عمارت کا نام ہے اور مکہ ایک معظم شہر کو کہتے ہیں۔ تمام مسلمان جانتے ہیں کہ کعبہ شریف اور بیت عتیق میں آج تک کوئی قربانی نہیں ہوئی۔ لہٰذا اگر آپ کے اصول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج تک کسی مسلمان کی قربانی صحیح نہیں ہوئی بلکہ یہ سب قربانیاں معاذ اللہ خلافِ قرآن ہوئیں۔ اس لئے کہ قرآن کعبہ اور بیت عتیٰ کو قربان گاہ قرار دیتا ہے اور حضور ﷺ سے لے کر آج تک کسی نے کعبہ میں قربانی نہیں کی بلکہ وہاں کے تمام مسلمان منیٰ میں اپنی قربانیاں کرتے چلے آئے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ آپ کے دعوے کا وہ کون سا جزو ہے جس کی تصدیق آپ کے اصول کے مطابق قرآن مجید سے ہوتی ہو۔

مقالہ نویس صاحب کے انداز تحریر کے پیش نظر مجھے ان سے قبول حق کی کوئی امید نہیں لیکن انے ناظرین کرام سے مؤدبانہ التماس کروں گا کہ وہ ازراہِ انصاف فیصلہ کریں کہ مقالہ نویس صاحب کا بیان قرآن کریم کی روشنی میں کس قدر لغو اور بے معنیٰ ہے۔ (۰۳)

تجزیہ و تحقیق:

علامہ سید احمد سعید کاظمی کا یہ مختصر رسالہ بہت اندار اور پڑھنے کے لائق ہے۔ انہوں نے نہ صرف احادیث مبارکہ سے مخالفین کو مسکیت جوابات دیئے بلکہ حدیث رسول ﷺ کی چاشنی سے محروم ان بے ذوق افراد کے ذوق کے مطابق کلام فرمایا اور حدیث رسول ﷺ کی حجیت اور قربانی کے ثبوت میں آیات قرآنیہ، احادیث رسول ﷺ اور لغات عرب کے حوالہ جات کے انبار لگا دیئے۔

(۷) تہجد کے لیے عشاء کے بعد سو کر اٹھنا لازمی ہے

علامہ سید احمد سعید کاظمی نے اپنی تصنیف ''کتاب التراویح'' مین ایک مسئلہ ذکر کیا ہے ک تہجد کے لیے عشاء کے بعد سو کر اٹھنا لازمی ہے۔ اس کی دلیل میں لکھتے ہیں:

تہجد کے معنیٰ ''سونے اور بیدار ہونے'' کے ہیں اور یہ لغات اضداد سے ہے اسی لیے شرعاً نمازِ تہجد اسی نماز کو کہا جائے گا جو نمازِ عشاء پڑھ کر سونے کے بعد بیدار ہو کر پڑھی گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے نمازِ تہجد ہمیشہ آخر شب میں پڑھی ہے۔ حدیث پاک

CC BY

میں وارد ہے:عن مسروق،قال:سالت عائشۃ رضی اللہ عنہا: ای العملکاناحب الی النبیﷺ؟،قالت:الدائم،قال:قلت: فای حین کان یقوم؟ قالت:کان یقوم اذا سمع الصارخ(۲۳)

ترجمہ:جناب مسروق فرماتے ہیں میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: نبی کریم ﷺ کو کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب تھا؟ انہوں نے جواب دیا:وہ جو ہمیشہ کیا جائے۔ میں نے عرض کی: حضور ﷺ صلوٰۃ لیل (نماز تہجد) کے لیے کس وقت اٹھتے تھے؟سیدہ عائشہ صدیق رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا: حضور ﷺ مرغ کی آواز سن کر اٹھتے تھے۔

یہ حدیث اس دعویٰ پر نص صریح ہے کہ حضور ﷺ نماز تہجد ہمیشہ آخر شب میں پڑھا کرتے تھے۔

دوسری حدیث حضرت اسود سے روایت ہے بخاری شریف میں ہے: عن الاسود، قال:سالت عائشۃ رضی اللہ عنہا، کیف کانت صلاۃ النبیﷺ باللیل؟قالت:کان ینام اولہ ویقوم آخرہ، فیصلی، ثم یرجع الی فراشہ، فاذاالذن الموذن وثب، فان کان بہ حاجۃ اغتسل والا توضا وخرج۔(۳۳)

ترجمہ:جناب اسود فرماتے ہیں: میں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رات میں حضور ﷺ کی نماز کس طرح ہوتی تھی؟ انہوں نے فرمایا: حضور ﷺ اول رات میں سو جاتے تھے اور آخر رات میں اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ پھر اپنے بستر مبارک پر تشریف لے جاتے پھر جب موذن اذان دیتا تیزی سے اٹھتے پھر اگر ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو فرما کر مسجد کی طرف تشریف لے جاتے۔

عینی میں ہے: واما حدیث حجاج بن عمر فرواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط من روایۃ کثیر بن العباس عنہ، قال: ایحسب احدکم از قام من اللیل یصلی حتی یصبح ان قد تھجد، انما التھجد الصلاۃ بعد رقدۃ ثم الصلاۃ بعد رقدۃ ثم الصلاۃ بعد رقدۃ، تلک کانت صلاۃ رسول اللہ ﷺ۔(۴۳)

ترجمہ: بہر حال حجاج بن عمرو سے بروایت کثیر بن عباس طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا۔ انہوں نے فرمایا: کیا تم لوگ یہ گمان کرتے ہو کہ تم جب بھی رات میں صبح تک نماز پڑھ لیا کرو تو تہجد کی نماز ادا ہو جایا کرے گی۔ بیشک تہجد تو وہ نماز ہے جو سونے کے بعد ہو پھر نماز سونے کے بعد تین مرتبہ اسی طرح ارشاد فرمایا اور پھر کہا کہ حضور ﷺ کی نماز اسی طرح تھی یعنی آپ ﷺ خواب سے بیدا رہو کر نمازِ تہجد پڑھا کرتے تھے۔

اگر کہا جائے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب تک تین مرتبہ صلوٰۃ بعد رقدۃ کا تحقق نہ ہو اس وقت تک تہجد متصور نہ ہوگا، تو میں عرض کروں گا کہ حدیث کا واضح مفہوم وہی ہے جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے یعنی نیند کے بغیر اگر کوئی شخص تمام رات صبح تک بھی نماز پڑھتا ہے تو اس کی نماز تہد نہ ہوگی۔ تہجد کا تحقق سونے کے بعد ہی نماز پڑھنے پر منحصر ہے اور الصلوٰۃ بعد رقدۃ کی تکرار محض تاکید کے لیے ہے کیونکہ بخاری شریف کی حدیث منقولہ بالا و دیگر احادیث صحیحہ کثیرہ سے یہ بات واضح ہے کہ حضور ﷺ ایک بار نماز تہجد پڑھ کر سو جاتے تھے پھر اس وقت اٹھے تھے جب موذن اذان دیتا تھا اور بعض روایات میں جو حضور ﷺ کا متعدد مرتبہ خواب سے بیدار ہو کر نماز پڑھنا وارد ہے وہ بعض احوال پر محمول ہے حالانکہ نماز تہجد پر حضور ﷺ نے جمیع احوال میں مواظبت فرمائی ہے۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ اس حدیث کے الفاظ انما التھجد الصلاۃ بعد رقدۃ اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ تہجد کے لیے سو کر اٹھنا ضروری ہے۔ بغیر سوئے صلوٰۃ اللیل تہجد نہیں ہو سکتی۔(۵۳)

تجزیہ و تحقیق

علامہ سید احمد سعید کاظمی کا یہ استدلال آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ صحیحہ او اقوال تابعین کے عین مطابق ہے۔ آیت کریمہ اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا وَّ اَقْوَمُ قِيْلًاؕ(۶۳) میں نَاشِئَةَ اللَّيْلِ کے تحت تفسیر جلالین میں امام جلال الدین سیوطی (متوفی:۹۱۱ھ) نے لکھا:

ان ناشءۃ اللیل القیام بعد النوم(۷۳)

ترجمہ: ناشءۃ اللیل سے مراد سونے کے بعد اٹھ کر نماز قائم کرنا ہے۔

اور محمد بن صالح بن محمد عثیمین (متوفی:۱۴۲۱ھ) نے فتاویٰ نور علی الدرب میں لکھا:

قال العلماء و ناشءۃ اللیل ھی التھجد بعد النوم(۸۳)

ترجمہ: علماء نے فرمایا کہ ناشءۃ اللیل سے مراد سونے کے بعد اٹھ کر تہجد ادا کرنا ہے۔

اور آیتِ مبارکہ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ(۹۳) کے تحت اپنی کتاب التفسیر الوسیط اللواحدی میں امام ابو الحسن علی بن احمد بن محمد بن علی الواحدی نیشاپوری شافعی (متوفی:۸۶۴ھ) فرماتے ہیں:

وقال مجاهد و علقمة و الاسود: التهجدبعد النوم، قال الليث:تهجداذا استيقظ للصلاة، وقال الازهری: المتهجد القائم الی الصلاة من النوم۔(40)

ترجمہ: حضرت مجاہد، علقمہ اور اسود رحمہم اللہ نے فرمایا: تہجد نماز کے بعد ہے اور لیث نے کہا: تہجد تب ہی ادا ہوگی جب نماز کے لیے بیدار ہو اور ازہری نے کہا: تہجد ادا کرنے والا تو وہ ہے جو نماز کے لیے نیند سے اٹھے۔

ان تمام احادیث وروایات سے ثابت ہو گیا کہ حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کا بالکل درست اور دلائل شرعیہ کے مطابق ہے۔

(۸) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ امتحان میں کامیاب ہوئے:

علامہ سید احمد سعید کاظمی کی ایک تقریر کے دوران ایک معترض نے تحریرا ًسوال کیا کہ آپ نے نمازِ ظہر کے بعد کی نشست میں خطاب کرتے ہوئے:وَمَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى(41) آیت کریمہ پڑھی تھی اور اس کی روشنی میں یہ کہا تھا کہ حضور ﷺ کا ہر قول وحی الٰہی ہے۔ اگر یہ بات اسی طرح درست ہے تو حضور ﷺ کے ہر امر کی تعمیل لازمی قرار پائی جبکہ حدیث قرطاس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس موقع پر سرکار کے فرمان کی تعمیل نہیں کی گئی بلکہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا:حسبنا كتاب الله۔ آپ مہربانی فرماکر اس آیت کریمہ کی روشنی میں اس حدیث کی وضاحت کریں۔ آپ نے جواب دیا:

> حضور ﷺ نے جو فرمایا کہ مجھے کاغذ دو میں تمہیں ایک ایسی چیز لکھ کر دوں جو تمہیں گمراہی سے بچائے گی۔ یہ فرمان کسی خاص شخص سے نہیں تھا۔ بلکہ اس وقت جو لوگ بھی جتنے صحابی اور اہل بیت سے جتنے مقدس نفوس وہاں تھے، ان سب سے خطاب تھا۔ حضور ﷺ پر اس وقت بتقضائے بشریت بیماری کا غلبہ تھا۔ حضرت عمر نے سرکار کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے عرض کی:و عندنا كتاب الله و هو احسبنا(۴۲) ترجمہ: اور ہمارے پاس کتاب اللہ ہے جو ہمیں کافی ہے۔ یہ گزارش حضور ﷺ کی نافرمانی نہ تھی بلکہ کسی خاص شخص کو مخاطب کئے بغیر یہ فرمان دراصل مخاطبین کا امتحان تھا۔ حضور ﷺ چونکہ چشم عالم سے روپوش ہونے والے تھے اور سفر آخرت پر روانہ ہونے کو تھے۔ اس لیے یہ اطمینان ضروری تھا کہ وہ حضرات صحابہ کرام جو ہر مشکل کے حل کے لیے سرکار ﷺ سے رجوع کیا کرتے تھے۔ سرکار کے پردہ فرمانے کے بعد اپنے مسائل کے حل اور مشکلات کی آسانی کے لیے الہامی تعلیمات اور فرامین نبوی کی روشنی میں امت مسلمہ کی رہنمائی کر سکیں گے۔ حضور ﷺ کے فیض صحبت سے ان میں یہ استعداد اور صلاحیت پیدا ہوئی ہے یا نہیں کہ وہ قرآن مجید اور سنت رسول سے تمام پیش آنے والے مسائل حل کر سکیں اس وقت آپ کے پاس موجود افراد میں وہ لوگ بھی موجود تھے جو آپ کی نابت کرنے والے اور مسند خلافت پر جلوہ فگن ہونے والے تھے۔ آپ کی صحبت کے انوار اور نور نبوت کی روشنی نے ان کے سینوں کو چمکا دیا تھا۔ اگر آپ کی نیابت کرنے والے اس اہل نہ ہوتے کہ آئندہ پیش آنے والے جملہ معاملات و مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کر سکیں تو اس کا مطلب تو معاذ اللہ یہ ہو گا کہ آپ دین کو ختم کئے جا رہے تھے۔ چنانچہ اس کی وضاحت کے لیے آپ ﷺ نے خدا کے فرمان کے مطابق کہا کہ کاغذ لاؤ میں تمہیں ایسا نوشتہ دوں جو تمہیں گمراہی سے بچائے گا تاکہ آپ کے اس فرمان کے جواب میں آپ کے صحابیوں میں سے کوئی بول اٹھے اور عرض کرے کہ سرکار! آپ ہم سے اس عالم میں رخصت نہیں ہو رہے جب ہمیں اپنی آئندہ زندگی اور بنی نوع آدم کی فلاح کے لیے کسی مزید حکم کی ضرورت ہو بلکہ آپ نے ہم میں وہ نور بصیرت پیدا فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے۔ مقصد وحی اور منشائے نبوت حضرت عمر کے حسبنا کتاب اللہ کہنے سے پورا ہو گیا۔ ورنہ حضرت عمر کی اس گزارش کے بعد سرکار مزید اصرار فرماتے اور ان کو جھڑک دیتے کہ میں تم سے کاغذ مانگ رہا ہوں اور تم میرے حکم کی تعمیل کی بجائے اپنی لیاقت و قابلیت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہو۔ میں نبی ہوں، وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے جو کچھ میں تمہیں بتانے والا ہوں، وہ تم از خود کیسے جان سکتے ہو؟ اور پھر اس مقام پر سیدنا صدیق اکبر، سیدنا عثمان غنی اور مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کا حضرت عمر کی بات کے جواب میں سکوت اختیار کرنا اور تکرار نہ کرنا اس بات کو مزید تقویت پہنچاتا ہے کہ یہ عالی مرتب ہستیاں بھی منشائے رسالت کو پا چکی تھیں اور گویا حضرت عمر نے ان سب کی ترجمانی کی تھی کیونکہ سرکار کا فرمان ہے:ان اللہ جعل الحق علی لسان عمر و قلبہ۔(43)

ترجمہ: بے شک اللہ نے عمر کے قلب وزباں پر حق جاری فرمادیا ہے۔

اگر چہ چند صحابہ نے حضرت عمر سے اختلاف ضرور کیا لیکن وہ عظمت وشان کے حامل ہونے کے باوجود اس مقام پر نہ پہنچے تھے جو ان اکابر صحابہ کرام کا سکوت حضرت عمر کے قول کی تصدیق متصور ہو گا اور نہ خود سرکار نے انہیں سرزنش فرمائی، اس لیے بعض صحابہ کے اختلاف کا وہ مفہوم نہیں ہو گا جو معترض نے سمجھا ہے۔(۴۴)

تجزیہ و تحقیق

علامہ سید احمد سعید کاظمی استدلال مذکور کو ان احادیث مبارکہ سے استنباط میں منفرد ہیں حتیٰ کہ علامہ غلام رسول سعیدیؒ (متوفی:۱۴۳۷ھ) سمیت معاصر شارحینِ حدیث نے بھی حدیثِ قرطاس پر اعتراضات کے جوابات میں ایسا استلال پیش نہیں کیا، راقم الحروف کی تحقیق یہی ہے۔ البتہ الشاہ امام احمد رضا خان محدث بریلی (متوفی: ۱۳۴۰ھ) کے نعتیہ کلام "مصطفی جانِ رحمت ﷺ پر لاکھوں سلام" کے اشعار درج ذیل میں آخری شعر سے مفہوماً استدلالِ غزالی زماں کی توثیق موجود ہے۔ فرمایا:

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر — اُس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام

فاروقِ حق و باطل امامُ الہدیٰ — تیغِ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام

ترجمانِ نبی ہم زبانِ نبی — جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام (45)

خلاصہ کلام:

اللہ رب العزت نے علامہ سید احمد سعید کاظمی کو استخراج و استنباط کا وہ ملکہ عطا فرمایا کہ آپ کا ہر استدلال یا تو اکابرینِ امت محمدیہ کے اقوال کی روشنی میں درست ثابت ہوتا ہے (جیسا کہ درج بالا استدلالات کی تائیدات میں یہاں اکابر مفسرین، محدثین اور محققین کے اقوال پیش کئے گئے) یا وہ استدلال آپ کا تفرد بن گیا ہے اور آپ کے بعد والوں میں کسی کو اس کی تردیدی کی جرات نہیں ہوئی (جیسا کہ استدلال نمبر ۵ "علماءِ امتِ محمدیہ، انبیاءِ بنی اسرائیل کے نائب ہیں، "استدلال نمبر ۶" قربانی اللہ کے رسول کی سنت ہے "اور استدلال نمبر ۸" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ امتحان میں کامیاب ہوئے" میں واضح ہے)۔

علامہ سید احمد سعید کاظمی کی فقاہت و بصیرت ایسی شاندار تھی کہ جس علم سے چاہتے اپنے موقف پر استخراج کر لیتے۔ میں یہاں علم منطق سے آپ کا استدلال بطورِ مثال پیش کرتا ہوں جو آپ کے ملکہ استنباط کی طرف نشاندہی کرتی ہے۔

علم منطق کا مشہور قاعدہ ہے کہ "اجتماعِ نقیضین (دو متضاد اشیاء کا جمع ہونا) محال ہے "لیکن علامہ سید احمد سعید کاظمی نے اپنے کلام میں اس محال کو بھی ممکن ثابت فرما دیا۔ رسالہ معراج النبی ﷺ میں لکھتے ہیں:

معراج شریف کا محال ہونا اس کے وقوع کی دلیل ہے، میں تو یہ عرض کروں گا کہ اگر فلاسفہ سفر معراج شریف کے استحالہ پر دلائل قائم نہ کرتے تو ہمارا مدعا ثابت نہ ہوتا۔ اس لیے کہ ہم معراج کو حضور ﷺ کا معجزہ کہتے ہیں اور معجزہ وہی ہے جس کا وقوع عادتاً محال ہو اور منکرین کو عاجز کرنے کے لیے ضروری تھا کہ پہلے اس کے استحالہ عادیہ کو ثابت کیا جائے تاکہ قدرت ایزدی سے اس کا ظہور و قوع معجزہ قرار پاسکے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ کام کسی مسلمان سے تو ممکن نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر ایمان رکھنے کے باوجود معراج کے محال ہونے پر دلیلیں قائم کرے۔ لہٰذا جس اللہ نے اپنی قدرت سے معراج جیسے محال کو ممکن نہیں بلکہ واقع کر دیا۔ اسی قادرِ مطلق نے اپنی قدرت کاملہ سے فلاسفہ جیسے ملحدین اور بے دین لوگوں سے اس کے استحالہ پر دلیلیں قائم کرا دیں تاکہ ادعاء استحالہ کے بعد اس کا وقوع اس کے معجزہ ہونے کی دلیل قرار پاسکے، واللہ الحجۃ السامیۃ (۶۴)

علامہ سید احمد سعید کاظمی نے اس جملے (معراج شریف کا محال ہونا ہی اس کے واقع ہونے کی دلیل ہے) ضدین کو ایسی خوبصورتی کے ساتھ جمع کر کے دکھا دیا کہ یونانی فلسفہ کا سارا غرور ایک ہی فقرے میں خاک آلود ہو گیا۔ آخر کون ثابت کر سکتا ہے کہ محال بھی واقع ہو سکتا ہے؟

حواشی اور حوالہ جات

(۱) ابنِ ماجہ، محمد بن یزید (م:۲۷۳ھ)، السنن، ج:۱، ص:۱۸۲، ک: اتباع سنۃ رسول اللہ ﷺ، ب: من بلغ علما، ح:۲۳۰، ط: دار الاتاصیل، بیروت، ۵۳۴۱ھ / ۴۱۰۲ء۔

(۲) الانعام ۶: ۱۰۳۔

(۳) قشیری، مسلم بن حجاج، (م:۲۶۱ھ)، المسند الصحیح، ج:۲، ص:۲۲۲، ح:۴۸۶، ب: مایقال فی الرکوع والسجود، ط: دار التاصیل، بیروت، ۵۳۴۱ھ / ۴۱۰۲ء۔

(۴) کاظمی، علامہ سید احمد سعید (م:۶۰۴۱ھ)، مقالاتِ کاظمی، ج:۱، ص ۱۸۵، ر: معراج النبی ﷺ، کاظمی پبلی کیشنز، ملتان ۲۰۱۷ء۔

(۵) الاسراء ۸۵:۱۷

(۶) طٰہٰ ۲۰: ۱۰۰۔

(۷) ملا علی قاری، علی بن محمد، ابو الحسن نور الدین ہروی (م:۱۰۱۴ھ)، الرد علی القائلین بوحدۃ الوجود، ص:۱، المامون للتراث، دمشق، ۵۱۴۱ھ / ۵۹۹۱ء۔

(۸) عبد الرحمن بن ناصر بن براک بن ابراہیم البراک، شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص:۱۹۶، ب: عجز الخلق عن الاحاطۃ باللہ، ط: دار التدمریۃ، ۹۲۴۱ھ / ۸۰۰۲ء۔

(۹) راقم الحروف کو بخاری شریف میں یہ حدیث پاک بالفاظ تبعث الانبیاء فی احساب تو مھم نہیں ملی۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

(۱۰) ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، (م:۲۷۹ھ)، الجامع الکبیر، ج:۴، ص:۴۳۸، ح:۳۹۵۱، ک: المناقب، ب: ماجاء فی فضل النبی ﷺ، ط: دار التاصیل، بیروت، ۷۳۴۱ھ / ۶۱۰۲ء۔

(۱۱) کاظمی، علامہ سید احمد سعید (م:۶۰۴۱ھ)، مقالاتِ کاظمی، ج:۱، ص:۲۳، تعارفِ مصنف (سید احمد سعید کاظمی) علامہ غلام رسول سعیدی، ط: کاظمی پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۱۷ء۔

(۱۲) عاصمی نجدی، عبد الرحمن بن محمد بن قاسم (م:۲۹۳۱ھ)، حاشیۃ الاصول الثلاثۃ لمحمد بن عبد الوہاب، ص:۱۲۷، معرفۃ نبیکم، ش:۱، ط: دار الزاحم (شاملہ)، ۳۲۴۱ھ / ۲۰۰۲ء۔

CC BY

(۳۱)نانوتوی، محمد قاسم (م:۰۸۸۱ء)، تحذیر الناس، ص:۴۱، ط:حجۃ الاسلام اکیڈمی، ۸۳۴۱ھ / ۷۱۰۲ء۔

(۴۱)طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد (م:۰۶۳ھ)، المعجم الاوسط، ج:۳، ص:۸۱۳، ح:۷۲۳۴ص: دارالحرمین، قاہرہ، س،ن

(۵۱)الاحزاب ۳۳:۰۴

(۶۱) کاظمی، علامہ سید احمد سعید (م:۶۰۴۱ھ)، مقالاتِ کاظمی، ج:۲، ص:۳۱۳، ۲۱۳، ر:التبشیر برد التحذیر، ط: کاظمی پبلی کیشنز، ملتان، ۸۱۰۲ء

(۷۱) قاضی عیاض، ابوالفضل عیاض بن موسیٰ عیاض مالکی (م:۴۴۵ھ)، الشفا، ج:۲، ص:۰۱۶، ف:ماھو من المقالات کفر، ط: دارالفیحاء، عمان، ۷۰۴۱ھ۔

(۸۱) کاظمی، علامہ سید احمد سعید (م:۶۰۴۱ھ)، مقالاتِ کاظمی، ج:۲، ص:۳۱۲، ر:التبشیر برد التحذیر، ط، کاظمی پبلی کیشنز، ملتان، ۸۱۰۲ء۔

(۹۱)الاحزاب ۳۳:۰۴

(۰۲) شوکانی، محمد بن علی بن محمد (م:۰۵۲۱ھ)، فتح القدیر، ج:۴، ص:۳۲۷، آیت:ماکان محمد ابا احد، ط: دار ابن کثیر، دمشق ودار الکلم الطیب، بیروت، ۴۱۴۱ھ۔

(۱۲)بخاری، محمد بن اسماعیل (م:۶۵۲ھ)، الجامع الصحیح، ج:۲، ص:۵۴، ح:۹۵۶، ک: صلاۃ الخوف، ب: صلاۃ الطالب والمطلوب راکبا وایماء، ط: دارالتاصیل، بیروت، ۲۱۰۲ء۔

(۲۲)النسآء ۴:۱۰۳۔

(۳۲) کاظمی، علامہ سید احمد سعید (م:۶۰۴۱ھ)، خطباتِ کاظمی، ج:۱، ص:۱۶۴ تا ۱۶۷، ر:امام اعظم بحیثیت محدث اعظم، ط: کاظمی پبلی کیشنز، ملتان، ۸۱۰۲ء

(۴۲)نووی، یحییٰ بن شرف (م:۶۷۶ھ)۔ المنہاج شرح صحیح مسلم، ج:۲۱، ص:۹۸، ح:۱۷۷۱، ک:۱، الجہاد والسیر، ب: رد المہاجرین الی الانصار....، ط: دار احیاء التراث العربی، ۲۹۳۱ء۔

(۵۲)بخاری، محمد بن اسماعیل (م:۶۵۲ھ)، الجامع الصحیح، ج:۴، ص:۹۴۴، ح:۳۴۵۳، ک: بدء الخلق، ب: ماذکر عن بنی اسرائیل، ط: دارالتاصیل، بیروت، ۲۱۰۲ء۔

(۶۲)بخاری، محمد بن اسماعیل (م:۶۵۲ھ)، الجامع الصحیح، ج:۴، ص:۹۴۴، ک: بدء الخلق، ب: ماذکر عن بنی اسرائیل، ط: دارالتاصیل، بیروت، ۲۱۰۲ء

(۷۲) ابنِ ماجہ، محمد بن یزید (م:۳۷۲ھ)، السنن، ج:۳، ص:۲۰۴، ح:۳۱۴۵، ک: الاضاحی، ب: ثواب الاضحیۃ، ط: دارالتاصیل، بیروت، ۵۳۴۱ھ / ۴۱۰۲ء۔

(۸۲)المائدہ ۵:۹۵

(۹۲) الحج ۲۲:۳۳

(۰۳) کاظمی، علامہ سید احمد سعید (م:۶۰۴۱ھ)، مقالاتِ کاظمی، ج:۱، ص:۴۵۹ تا ۴۶۱، ر: فلسفہ قربانی، ط: کاظمی پبلی کیشنز، ملتان ۷۱۰۲ء۔

(۱۳)الکوثر ۲:۱۰۸۔

(۲۳)بخاری، محمد بن اسماعیل (م:۶۵۲ھ)، الجامع الصحیح، ج:۸، ص:۳۰۲، ح:۸۳۱۱، ک: الرقاق، ب: القصد والمداومہ، دارالتاصیل، بیروت، ۲۱۰۲ء۔

(۳۳)بخاری، محمد بن اسماعیل (م:۶۵۲ھ)، الجامع الصحیح، ج:۲، ص:۱۵۸، ح:۱۱۵۳، ک: التہجد باللیل، ب: من نام اول اللیل، دارالتاصیل، بیروت، ۲۱۰۲ء۔

(۴۳) عینی، بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد حنفی (م:۸۵۵ھ)، عمدۃ القاری، ج:۷، ص:۲۹۵، ب: قیام النبی باللیل، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۲۴۱ھ / ۱۰۰۲ء۔

(۵۳) کاظمی، علامہ سید احمد سعید (م:۶۰۴۱ھ)، مقالاتِ کاظمی، ج:۱، ص:۴۸۲، ۴۸۳، ر: کتاب التراویح، ط: کاظمی پبلی کیشنز، ملتان، ۷۱۰۲ء۔

(۶۳) المزمل ۶:۷۳۔

(۷۳) سیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابو بکر (م:۹۱۱ھ) ومحلی، جلال الدین محمد بن احمد (م:۸۶۴ھ)، تفسیر الجلالین، ص:۷۷۳، دارالحدیث، قاہرہ، س،ن۔

(۸۳) عثیمین، محمد بن صالح بن محمد (م:۱۲۴۱ھ)، فتاویٰ نور علی الدرب، ج:۸، ب: بارک اللہ فیکم متی یبدا وقت التہجد، سن ندارد۔

(۹۳)الاسراء ۱۷:۷۹۔

(۰۴) واحدی، علی بن احمد (م:۴۶۸ھ)، الوسیط فی تفسیر القرآن المجید، ج:، ص:، الاسراء ۱۷:۷۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۵۱۴۱ھ / ۴۹۹۱ء۔

(۱۴)النجم ۳،۵۳۔

(۲۴) بخاری، محمد بن اسماعیل (م:۶۵۲ھ)، الجامع الصحیح، ج:۵، ص:۶۶۴، ح:۴۴۱۴، ک: المغازی، ب: مرض النبی ﷺ ووفاتہ، دارالتاصیل، بیروت، ۲۱۰۲ء۔

(۳۴)ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، (م:۲۷۹ھ)، الجامع الکبیر، ج:۴، ص:۵۷۴، ح:۴۰۳۳، ک: المناقب، ب: مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب، ط: دارالتاصیل، بیروت، ۶۱۰۲ء۔

(۴۴) کاظمی، علامہ سید احمد سعید (م:۶۰۴۱ھ)، خطباتِ کاظمی، ج:۱، ص:۲۰۹، ر: ایتونی بقرطاس، ط: کاظمی پبلی کیشنز، ملتان ۸۱۰۲ء۔

(۵۴) اعلیٰ حضرت، احمد رضا خان بن نقی علی خان فاضل بریلی (م:۰۴۳۱ھ)، حدائقِ بخشش، ص:۳۱۲، ع: مصطفی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام، ط: مکتبۃ المدینہ، کراچی، ۲۱۰۲ء،

(۶۴)کاظمی، علامہ سید احمد سعید (م:۶۰۴۱ھ)، مقالاتِ کاظمی، ج:۱، ص:۱۵۰، ر: معراج النبی ﷺ، ط: کاظمی پبلی کیشنز، ملتان، ۷۱۰۲ء۔

CC BY